حضراتِ صوفیہ اور علم حدیث

ڈاکٹر غلام قادر لون

اہلِ تصوف ہمیشہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ اِن کا طریق کار قرآن و سنت سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ ابو سلیمان دارانی (م ۲۱۵ھ) کا قول ہے "میرے دل میں جب بھی صوفیہ کے نکات میں سے کوئی نکتہ گزرتا ہے تو میں اس وقت تک اسے قبول نہیں کرتا جب تک کہ دو عادل گواہ یعنی قرآن و سنت اس کی تائید نہ کریں[1]" ابو الحسین نوری (م ۲۹۵ھ) کہتے ہیں "جو شخص اس حالت کا مدعی ہو جو اسے دائرۂ شریعت سے خارج کرتی ہے اس کے پاس نہ جاؤ[2]" سہل بن عبد اللہ تستری (م ۲۷۳ھ) کے مطابق "ہر وجد جس کی شہادت قرآن و سنت سے نہ ملے باطل ہے[3]" بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ) کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی ایسے آدمی

---

[1] ابو القاسم قشیری : الرسالۃ القشیریہ، المطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر، ۱۳۰۴ھ ص ۲۵ - ابو نصر سراج طوسی: اللمع، تحقیق و تقدیم عبد الحلیم محمود۔ طہٰ عبد الباقی سرور، دار الکتب الحدیثۃ مطبعۃ السعادۃ قاہرہ مصر، ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء ص ۱۳۶۔ ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی: تلبیس ابلیس، دار الطباعۃ المنیریہ القاہرہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء ص ۱۶۸ مولانا جامی نے نفحات الانس میں اس قول کو بایں الفاظ نقل کیا ہے "ربما ینکت الحقیقۃ فی قلبی اربعین یوماً فلا آذن لہا ان تدخل فی قلبی الا بشاہدین من الکتب والسنۃ (اکثر چالیس دن تک میرے دل میں حقیقت کا نزول ہوتا رہتا ہے مگر جب تک دو عادل گواہ یعنی قرآن و سنت تصدیق نہیں کرتے میں اسے اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا۔ دیکھئے نفحات الانس بذیل "ابو سلیمان دارانی" [2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۹ تلبیس ابلیس ص ۱۶۸۔ ابن قیم: مدارج السالکین، مطبعۃ المنار مصر ۲: ۲۵۷

[3] اللمع ص ۱۰۴، شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف علی ہامش احیاء، مصر ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء ۱ : ۲۱۷۔ ابن تیمیہ: مجموع فتاویٰ، مطابع ریاض، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ تا ۱۳۸۲ھ ۱۱ : ۵۹۵

کو دیکھو جو ہوا میں اڑتا ہے تو بھی اس وقت تک اس سے دھوکہ مت کھانا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور حدودِ شرع کا کتنا پابند ہے[1] جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کہتے ہیں "ہمارے اس علم کی بنیاد قرآن و سنت ہے جو قرآن کی تلاوت نہ کرے اور حدیث نہ لکھے اس معاملے میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی[2]" ابوالحسن حواری کا قول ہے " دائرۂ سنت نبوی سے باہر ہر عمل باطل ہے[3]" مندرجہ بالا اقوال کا صوفیہ کی طرف انتساب اس لیے بھی صحیح لگتا ہے کہ محدثین اور مورخین کے علاوہ تصوف کے ناقدین نے بھی انھیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے مثلاً ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب تلبیس ابلیس میں ان اقوال کو بیان کیا ہے اور اس سے متقدمینِ صوفیہ کی پابندیٔ شریعت کا نتیجہ اخذ کیا ہے[4] ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ[5]) اور ابن قیم (م ۷۵۱ھ[6]) نے بھی ان اقوال کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

ان اقوال سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ صوفیہ قرآن و حدیث کی روشنی ہی میں راہِ سلوک پر گامزن ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سالک علم سے پوری طرح بہرہ ور ہو۔ مگر زحمت اس وقت پیش آتی ہے جب تصوف کی کتابوں میں ہمیں بکثرت ایسے اقوال ملتے ہیں جو اپنے اندر علم بیزاری اور معارف دشمنی کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اس طرح صوفیہ کے وہ تمام اقوال حقیقت سے خالی نظر آتے ہیں جن میں انھوں نے قرآن و سنت کی پابندی کا بار بار دعویٰ کیا ہے۔ ایک صوفی سے جب پوچھا گیا "کیا تم محدث عبدالرزاق سے حدیث سننے کے لیے سفر نہیں کروگے تو انھوں نے جواب دیا جو خدا سے (براہِ راست) سنتا ہے وہ عبدالرزاق سے سماعت کیا کرے؟[7]" ابوحفص نیشاپوری (م ۲۶۴ھ) کا کہنا ہے "جب سے میں نے خدا

---

[1] ابن خلکان: وفیات الاعیان، دار صادر بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء ۲: ۵۲۱۔ حافظ ذہبی: میزان الاعتدال بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء ۲: ۳۴۶ تلبیس ابلیس ص ۱۶۸۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۲، مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۹۵؛ تلبیس ابلیس ص ۱۶۸

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۱، مجموع فتاویٰ ۱۱- ۵۹۵ [4] تلبیس ابلیس ص ۱۶۸ و ۳۲۴

[5] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۹۵۔ [6] مدارج السالکین ۲: ۲۵۷

[7] عبدالعظیم عبدالسلام شرف الدین: ابن قیم الجوزیہ، مصر، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء ص ۲۳۶

کو پہچانا اس وقت سے میرے دل میں حق کا گزر ہوا نہ باطل کا۔[1] حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) کہتے ہیں "علم خوف پیدا کرتا ہے، زہد آرام پہنچاتا ہے اور معرفت انابت پیدا کرتی ہے"[2] جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کہتے ہیں "جب تم فقیر سے ملو تو نرمی کے ساتھ اس سے ملو، علم کے ساتھ نہ ملو کیوں کہ نرمی اسے مانوس بناتی ہے اور علم اس کے اندر وحشت پیدا کرتا ہے"[3] بشر حافی (م ۲۲۷ھ) کے بقول روایت حدیث میں استعمال ہونے والا لفظ "حدثنا" دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔[4] ابوبکر وراق (م ــــ) سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے کتابت حدیث کیوں ترک کر دی تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے ارادت نے اس سے باز رکھا۔[5] جعفر خلدی (م ۳۴۸ھ) کا بیان ہے کہ میں عباس نامی ایک محدث کے پاس گیا اور اس سے حدیث لکھی جب اس کے پاس سے چلا تو ایک صوفی ساتھی سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا تمہارے پاس یہ کیا ہے میں نے اسے یہ اوراق دکھائے تو اس نے یہ کہہ کر ان اوراق کو پھاڑ ڈالا "افسوس تم علم خرقہ کو چھوڑ کر علم ورق کو اختیار کرتے ہو" اس کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے عباس کے پاس جانا چھوڑ دیا۔[6] حصول علم کو اللہ کے حضور میں بے ادبی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک مشہور صوفی شیخ ابوبکر الدقی (م ۳۵۹ھ) سے سوال کیا گیا کہ اللہ کے حضور میں فقیروں کی بے ادبی کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا "ان کا حقیقت سے علم کی طرف گرنا"[7]

صوفیہ علم کو حجاب اکبر تصور کرتے ہیں اور شروع ہی سے "صد کتاب وصد ورق درنار کن" کے اصول پر عمل پیرا رہے ہیں۔ بشر حافی نے کتابوں میں دس بستے زمین میں دفن کیے۔[8] ابوبکر وراق سے ان کے استاد حکیم ترمذی (م ۳۲۰ھ) نے یہ کہا: یہ کتابیں دریائے جیحوں میں پھینک آؤ" ابوبکر وراق نے انھیں گھر میں رکھا اور واپس آکر اطلاع دی کہ کتابیں دریا میں پھینک دی گئی ہیں۔ استاد

---

۱ الرسالۃ القشیریہ ص۱۸۴، شیخ علی ہجویری: کشف المحجوب، اسلام آباد ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ص۲۴۴

۲ ابوعبدالرحمٰن السلمی، طبقات الصوفیہ تحقیق نورالدین سدیبہ، مطابع دارالکتاب العربی بمصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء ص۵۸

۳ الرسالۃ القشیریہ ص۱۶۳، طبقات الصوفیہ ۱۶۰، اللمع ص۲۳۳

۴ امام غزالی: احیاء علوم الدین مصر ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء ۱ : ۶۷

۵ الرسالۃ القشیریہ ص۱۶۴ ۶ تلبیس ابلیس ص۳۲۸

۷ الرسالۃ القشیریہ ص۱۶۴ ۸ احیاء ۱ : ۶۷

نے پوچھا "کتابیں دریا میں پھینکنے کے بعد تم نے کیا دیکھا" ابوبکر وراق نے جواب دیا "کچھ نہیں" یہ سن کر استاد نے کہا تم نے کتابیں دریا میں نہیں پھینکیں۔ جاؤ پھینک آؤ۔ ابوبکر وراق نے جاکر کتابیں دریا میں پھینک دیں۔ پانی کے دو حصے ہوگئے اور ایک صندوق نمودار ہوا جس میں کتابیں بند ہوکر پانی میں چلی گئیں۔ حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے ابوبکر وراق جب استاد کے پاس آئے تو انھوں نے جواب دیا "میں نے اصول وتحقیق میں کچھ کتابیں لکھی تھیں جو لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ خضر علیہ السلام نے یہ کتابیں مجھ سے طلب کیں۔ اللہ کا حکم ہوا انھیں یہ کتابیں پہنچا دو۔"[1]

بغداد میں ایسے صوفیہ بھی رہے ہیں جو حدیث لکھ کر اسے دریائے دجلہ میں پھینک آتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے اس کا حق ادا کردیا۔[2] ابوالحسن حواری نے تیس سال تک حدیث کا علم حاصل کیا آخر میں اپنی کتابیں یہ کہہ کر دریا میں پھینک دیں "اے علم میں تمہاری تحقیر یا بے وقعتی کے پیش نظر ایسا نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں نے تجھے اس لیے حاصل کیا تھا تاکہ اللہ تک پہنچنے کے لیے تیری رہنمائی مل جائے۔ پس جب تیرے ذریعہ میں ہدایت پاگیا تو میں تجھ سے بے نیاز ہوگیا۔"[3] ابوسعید ابوالخیر (م ۴۴۰ھ) کہتے تھے "کتابو! تم اچھی رہنما ہو لیکن حصول مقصد کے بعد رہنما فضول ہے۔"[4] ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس معاملہ (تصوف) میں پہلا قدم دواتوں کا توڑنا، کتابوں کا پھاڑنا اور علم کا فراموش کرنا ہے۔[5] شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کہتے ہیں کہ جب شیخ ابوسعید ابوالخیر کمال حال کو پہنچ گئے تو انھوں نے اپنی کتابوں کو ایک گوشہ میں رکھ دیا۔ ایک دن ان کا مطالعہ کرنے لگے تو ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے ابوسعید ہمارا عہدنامہ واپس کردو کیونکہ تم دوسری چیز میں مشغول ہوگئے۔[6] شیخ نظام الدین اولیاء کے بیان کے مطابق ایک پیر طریقت کے بیٹے نے علم میں کمال حاصل کرنے کے بعد چاہا کہ راہ سلوک پر گامزن ہوجائے۔ چنانچہ وہ اپنے باپ کے پاس آیا اور کہا کہ میں درویشی اختیار

---

۱ کشف المحجوب ص ۱۲۹-۱۳۰ ۲ تلبیس ابلیس ص ۳۲۵ ۳ تلبیس ابلیس ص ۳۲۵

۴ R.A. Nicholson, Studies in Islamic Mysticism Delhi 1976 P.P. 21

۵ Studies in Islamic Mysticism P.P. 21

۶ امیر حسن علا سجزی۔ فوائد الفواد تصحیح ومقدمہ محمد لطیف ملک لاہور ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء جلد سوم مجلس اول ص ۱۵۷

کرنا چاہتا ہوں۔ باپ نے کہا چلہ کرو۔ جب وہ چلہ کرنے کے بعد باپ کے پاس آیا تو انھوں نے لڑکے سے چند مسائل پوچھے۔ اس نے تمام مسائل کا جواب دیا۔ جواب سن کر باپ نے اس سے کہا کہ تمہیں اس چلہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا جاؤ ایک اور چلہ کرو۔ لڑکا دوسری بار چلہ کرکے جب باپ کے پاس آیا تو انھوں نے چند ایک مسائل ان سے پوچھے۔ لڑکے نے اب کی بار جواب میں جگہ جگہ غلطی کی۔ باپ نے حکم دیا کہ ایک اور بار چلہ کشی کرو جب لڑکا تیسری بار چلہ ختم کرکے باپ کے پاس پہنچا۔ انھوں نے چند مسائل پوچھے مگر لڑکا اس قدر مشغول ہوگیا تھا کہ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔[1] شیخ نظام الدین اولیاء کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کام ہے تو صرف مشغولی حق ہے باقی سب چیزیں اس دولت کی مانع ہیں۔ اگر میں کبھی ان کتابوں کا جو میں نے پڑھی ہیں مطالعہ کرتا ہوں تو مجھ پر ایک وحشت طاری ہوتی ہے اور میں اپنے دل میں سوچتا ہوں کہ کہاں آپڑا۔[2]

صوفیہ کی اس علم بیزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ فن حدیث سے انھیں کوئی مناسبت پیدا نہ ہوسکی کیوں کہ یہ وہ فن ہے جس میں سخت محنت، دقتِ نظر، کثیر مطالعہ اور تفتیش رجال کے لیے سخت جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے پاس ان چیزوں کے لیے وقت نہیں تھا۔ غالباً یہ ان کے بس کا کام بھی نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے ملفوظات اور کتابوں میں عموماً ایسی احادیث کے حوالے ملتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ رسول اللہ کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں بلکہ کہیں کہیں تو قرآن مجید اور سنت ثابتہ سے بھی متناقض نظر آتی ہے۔

صوفیہ کی طرف سے سب سے زیادہ بے احتیاطی اسناد کے باب میں برتی گئی۔ اسناد کو فنِ حدیث میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) کا قول ہے "حدیث دین ہے اس لیے دیکھ لو دین کس سے حاصل کر رہے ہو"[3] اسناد سے بے احتیاطی برتنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ محدثین نے صوفیہ اور زہاد کو روایت حدیث کے سلسلے میں ناقابلِ اعتماد

۱؎ فوائد الفواد جلد دوم، مجلس ۳۱۔ ص ۱۳۶ — ۱۳۷

۲؎ فوائد الفواد جلد دوم، مجلس اول ص ۱۵۷

۳؎ امام مسلم، صحیح مسلم، بشرح نووی، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء ۱: ۸۴، خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ ص ۱۲۱

قرار دیا۔ مشہور محدث یحییٰ ابن سعید (م ۱۹۸ھ) اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں "تم حدیث کے معاملے میں اہل خیر (زہاد) کو سب سے جھوٹا پاؤ گے"[۱] امام مسلم (م ۲۶۱ھ) کی رائے ہے کہ ان کی زبانوں سے جھوٹ بلا ارادہ سرزد ہو جاتا ہے[۲] حضرت حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) کو امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے کثیر التدلیس کہا ہے[۳] حضرت علی کے شاگرد کمیل ابن زیاد کو بعض محدثین نے منکر الحدیث بتایا ہے[۴] یعنی وہ ثقہ راویوں کے خلاف روایات بیان کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد فرقد سنجی (م ـــــ) کے بارے میں محدث ایوب نے صاف صاف کہا کہ فرقد صاحب حدیث نہیں ہے[۵] امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کے نزدیک ان کی احادیث میں منکر روایات ہیں[۶] امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) کے نزدیک وہ ضعیف ہیں[۷] عبد الواحد ابن زید (م ۱۷۷ھ) جو علم باطن کی روایت میں ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو امام بخاری نے متروک الحدیث کہا ہے[۸] امام نسائیؒ بھی ان کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں[۹] مشہور زاہد مالک بن دینار (م ۱۳۱ھ) کو محدثین نے حدیث میں معتبر نہیں مانا ہے[۱۰] ایک اور زاہد عباد بن کثیر کے زہد و تقشف کی تعریف میں محدثین رطب اللسان رہے ہیں مگر حدیث کے بارے میں ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان سے حدیث مت لو[۱۱] ذو النون مصری (م ۲۴۵ھ) پر حدیث وضع کرنے کا اتہام ہے[۱۲] احمد بن عطا کو محدث دارقطنی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے[۱۳] یہ لوگوں کو اللہ کی طرف راغب کرنے کے لیے باطل حدیثوں کا سہارا لیتے تھے[۱۴] ابو علی روزباری (م ۳۲۲ھ)

---

۱ صحیح مسلم ۱: ۹۴ - الکفایہ ص ۱۲۱ تا ۱۲۲ ۲ صحیح مسلم ۱: ۹۵

۳ میزان الاعتدال ۱: ۵۲۷ ۴ میزان الاعتدال ۳: ۵۱۴ ۵ صحیح مسلم ۱: ۱۲۲

۶ امام بخاری: کتاب الضعفاء الصغیر، تحقیق محمود ابراہیم زاید، دار الوعی بحلب، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۶ھ ص ۹۴

۷ امام نسائی: کتاب الضعفاء والمتروکین تحقیق محمود ابراہیم زاید، دار الوعی بحلب، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۶ھ ص ۸۷

۸ کتاب الضعفاء الصغیر ص ۷۶ ۹ کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۶۹

۱۰ میزان الاعتدال ۳: ۴۲۶ ۱۱ صحیح مسلم ۱: ۹۴

۱۲ کنانی: تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الموضوعۃ، بیروت لبنان ۱۹۷۹ء / ۱۳۹۹ھ ۱: ۴۳-۴۴

۱۳ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، حیدر آباد، الطبعۃ الاولی ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۱ھ ۱: ۲۲۱

۱۴ لسان المیزان ۱: ۲۲۱-۲۲۲

کو حدیث میں ناقابل اعتماد قرار دیا گیا ہے خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کا کہنا ہے کہ انھوں نے ایسی احادیث بیان کی ہیں جن میں فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں[1] ابراہیم خواص (م ۲۹۱ھ) کے متعلق ابن طاہر کی رائے ہے کہ ان کے پاس موضوع احادیث ہیں حاکم نے انھیں متروک الحدیث بتایا ہے[2] ابو عبد الرحمن السلمی (م ۴۱۲ھ) صوفیہ کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے[3]

ان صوفیہ کے زہد و تقشف کا اعتراف محدثین کو بھی تھا مگر تنہا زہد و تقشف اعتماد کی سند نہیں بن سکتا تھا۔ ربیعہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں ہمارے بھائیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی دعاؤں کی برکت کے ہم امیدوار رہتے ہیں لیکن اگر کبھی ہمارے سامنے گواہی دیں تو ہم ان کی گواہی قبول نہیں کریں گے[4] یحییٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حدیث میں صالحین کو سب سے سخت فتنہ پایا[5] انھیں کا قول ہے کہ میں ایک لاکھ دینار کی امانت داری کے لیے جس آدمی کو صحیح سمجھتا ہوں ایک حدیث کے سلسلہ میں اسے امین نہیں مانتا ہوں[6]۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ) کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں ستر ایسے مشائخ سے کوئی حدیث نہیں لی جن کو اگر بیت المال سپرد کیا جاتا تو وہ امین ثابت ہوتے[7] صالح المری اتنے رقیق القلب تھے کہ ان کی قرأت سن کر کچھ لوگوں کی روح پرواز کر گئی مگر امام بخاری نے انھیں منکر الحدیث کہا[8] اور امام مسلم نے قابل اعتنا نہ سمجھا[9]

بعد کے ادوار کے اکابر صوفیہ کو بھی حدیث میں قابل حجت تسلیم نہیں کیا گیا۔ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) اور محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے متعلق صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کا تقویٰ سر آنکھوں پر مگر حدیث میں قابل اعتماد نہیں ہیں۔ بعض ایسے محدثین جو تصوف کے ذوق چشیدہ تھے جیسے محمد بن طاہر مقدسی، وہ بھی اسی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ ان بزرگوں کی کتابوں میں جو احادیث ملتی ہیں ان میں سے بعض پر محدثین نے سخت تنقید

---

۱ لسان المیزان ۱: ۲۲۱-۲۲۲ ۲ لسان المیزان ۱: ۹۹-۱۰۰

۳ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، مطبعۃ السعادۃ بمصر، الطبعۃ الاولی ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء ۲: ۲۴۸، میزان الاعتدال ۳: ۵۲۳ ۴ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۸

۵ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۸ ۶ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۸

۷ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۹ ۸ کتاب الضعفاء الصغیر ص ۵۹ ۹ صحیح مسلم ۱: ۱۱۱

کی ہے۔ امام غزالی پر محدثین نے ایک بڑا اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ انھوں نے اپنی تصانیف میں موضوع احادیث کو نقل کیا ہے۔ سبکی (م ۷۷۱ھ) نے طبقات الشافعیہ میں امام غزالی کی بے سند احادیث پر ایک مستقل باب باندھا ہے جو ایک سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس باب میں انھوں نے امام موصوف کی بے سند احادیث نقل کی ہیں[1]۔ امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم کی بنیاد جن کتابوں پر رکھی ہے ان میں ایک قوت القلوب ہے جو ابو طالب مکی (م ۳۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔ ابن جوزی نے اس پر سخت تنقید کی ہے اور ان تمام روایات کو جو مختلف ایام و شہور کی نمازوں کے متعلق اس میں درج ہیں موضوع قرار دیا ہے[2]۔ ابن تیمیہ نے بھی قوت القلوب کی اس خامی کی طرف اشارہ کیا ہے[3]۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) ایام و شہور کی مختلف نمازوں کے متعلق احادیث کو موضوع بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوت القلوب اور احیاء العلوم میں ان احادیث کے ذکر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے[4]۔ مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) نے بھی ایام و شہور کی نمازوں سے متعلق احادیث کو رد کیا ہے اور اس سلسلہ میں قوت القلوب اور احیاء العلوم دونوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے[5]۔ ان احادیث کے علاوہ بھی قوت القلوب میں موضوع احادیث ہیں مثلاً تجرد کی فضیلت اور اولاد کی مذمت میں جو حدیثیں ہیں انھیں اسماء الرجال کے علماء نے موضوع قرار دیا ہے[6]۔ ایام و شہور کی نمازوں کے متعلق جو احادیث شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں موجود ہیں ان کو بھی محدثین نے نشانہ تنقید بنایا ہے اور قوت القلوب اور احیاء العلوم کے ساتھ ہی اس کا ذکر کیا ہے[7]۔ غنیۃ الطالبین میں "تقلیم الأظفار" ناخن کاٹنے سے متعلق جو حدیث ہے ابن قیم نے اسے "بدترین موضوعات میں سے ایک" قرار دیا ہے[8]۔ ملا علی قاری نے بھی اسے "اقبح الموضوعات"

---

[1] سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مصر ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء ۶: ۲۸۷ - ۳۸۹ [2] تلبیس ابلیس ص ۱۶۲

[3] مجموع فتاوی ۱۰: ۵۵۱-۵۵۲، ۱۱: ۵۷۸ - ۵۷۹، ۱۳: ۵۵۲

[4] ملا علی قاری: المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ص ۲۵۹-۲۶۰

[5] عبدالحی لکھنوی، الآثار المرفوعہ، ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ گوجرانوالہ پاکستان ص ۳۷-۹۳

[6] ملا علی قاری، الموضوعات الکبیر، المطبع الرفیع المجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ ص ۱۰۴

[7] الآثار المرفوعہ ۳۷-۹۳، مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۹

[8] ابن قیم، المنار المنیف، حلب، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء ص ۱۴۰

ہی کہا ہے[۱] عبد الرحمٰن السلمی کی کتابوں کے متعلق ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس میں موضوع احادیث ہیں[۲] شاہ عبد العزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) حسن ظن کی بنیاد پر حدیث اخذ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن السلمی اور دوسرے صوفیہ جو حدیث کے مذاق آشنا نہ تھے اس علت (حسن ظن کی بنیاد پر حدیث لینا) سے متہم ہیں[۳]

مزید برآں علمائے حدیث کا نشانۂ تنقید وہ محدثین بھی بنے ہیں جنہوں نے تصوف کے زیر اثر احادیث کے نقل کرنے میں صحیح و غلط کی تمیز اٹھا دی تھی۔ مثلاً ابو نعیم اصبہانی (م ۴۳۰ھ) کی ضخیم کتاب "حلیۃ اولیاء" جو اس زمانے میں چار چار سو دینار میں بکتی اور خریدی جاتی تھی، کے متعلق محدثین کی رائے ہے کہ اس میں بکثرت موضوع روایات ہیں۔ ابن جوزی نے حلیۃ الاولیاء پر سخت تنقید کی ہے[۴] ابن تیمیہ نے اس کی بعض اسانید کو "تاریک اسناد" کہہ کر رد کیا ہے[۵] تصوف کے حامی محدثین نے بھی حلیۃ الاولیاء کے پایہ استناد کو مشکوک ٹھہرایا ہے۔ مثلاً مولانا عبد الحی لکھنوی نے حلیۃ الاولیاء کی اس روایت کو جس میں حضرت عکاشہ کا رسول اللہ سے قصاص طلب کرنے کا ذکر ہے موضوعات میں شمار کیا ہے[۶] ابدال سے متعلق احادیث کو بھی ضعیف اور موضوع بتایا گیا ہے[۷] شاہ عبد العزیز دہلوی کے بقول ابو نعیم اصبہانی کی تصنیفات کا شمار کتب احادیث کے طبقۂ چہارم میں ہوتا ہے اور طبقۂ چہارم میں شامل کتابوں میں درج احادیث کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ بہر حال یہ احادیث قابل اعتماد نہیں ہیں لہٰذا عقیدہ اور عمل کے اثبات کے باب میں ان سے تمسک مناسب نہیں[۸] محمد بن طاہر مقدسی کی کتاب "صفۃ التصوف" کو بھی محدثین نے موضوع احادیث کے معاملے میں اعتراضات

۱؎ الموضوعات الکبیر صہ ۱۱۲ ۲؎ تلبیس ابلیس صہ ۱۶۴

۳؎ شاہ عبد العزیز دہلوی، عجالہ نافعہ، مطبع نیر اعظم لاہور ۱۲۸۴ھ صہ ۳۲

۴؎ تلبیس ابلیس صہ ۱۶۵ ۵؎ ابن تیمیہ: قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ، المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء صہ ۸۸ ایک اور جگہ ابن تیمیہ لکھتے کہ اس قسم کی کتابوں میں بکثرت موضوع احادیث ہیں علماء کا اتفاق ہے کہ شریعت کے معاملہ میں ان پر اعتماد جائز نہیں۔ دیکھئے قاعدہ جلیلہ صہ ۸۳

۶؎ آثار المرفوعہ صہ ۳۲-۳۱ ۷؎ حافظ سخاوی: المقاصد الحسنہ، بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء صہ ۸، المنار المنیف صہ ۱۳۶ ۸؎ عجالہ نافعہ ص ۷-۸

کا ہدف بنایا ہے[۱]۔ تصوف کی بنیادی کتابوں، اللمع[۲]، الرسالۃ القشیریہ[۳]، التعرف لمذہب[۴] اہل التصوف اور عوارف المعارف[۵] میں بکثرت موضوع احادیث و روایات منقول ہیں۔

مگر ان سب میں بدترین حال "بہجۃ الاسرار" کا ہے۔ یہ کتاب شیخ عبدالقادر جیلانی اور دوسرے مشائخ کی تاریخ ہے۔ اس کے مصنف علی بن عبداللہ جہضم الشطونی ہیں جنھیں وضع حدیث کا مرتکب قرار دیا گیا ہے امام ذہبی کہتے ہیں کہ اس نے بہجۃ الاسرار میں مصائب (موضوع اور ناقابل اعتماد روایات) جمع کر دی ہیں[۶]۔ اسی قسم کی تنقید ابوبکر مروزی نے بھی کی ہے[۷]۔ ابن رجب حنبلی شیخ جیلانی کے متعلق جمع کیے ہوئے مواد کو (الطم والرم) طومار سے تعبیر کیا ہے[۸]۔ ابن الوردی کی رائے ہے کہ بہجۃ الاسرار میں نادرست باتیں ہیں اور شیخ عبدالقادر کی شان میں ایسی مبالغہ آرائی ہے جو صرف ربوبیت کے شایانِ شان ہے[۹]۔ عبدالرحمٰن واسطی نے بھی مصنف کتاب بہجۃ الاسرار کو "کذاب متہم" کیا ہے۔ واسطی کا خیال ہے کہ اس کتاب سے خود عبدالقادر جیلانی کی شخصیت کے خدوخال انجانے لگتے ہیں[۱۰]۔ مستشرقین نے بھی اپنی تحریروں میں شیخ جیلانی کے متعلق مواد

۱۔ تلبیس ابلیس ص۱۶۵، مجموع فتاوی ۱۱ : ۵۷۸

۲۔ مثلاً نمونہ کے لیے دیکھیے لی مع اللہ وقت .... الخ اور ما وسعنی ارضی ولا سمائی .... الخ موضوع ہیں جو اللمع ص۱۶۱ پر درج ہیں۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص۱۵۱ اور ص۱۶۳ پر ان دونوں حدیثوں کا موضوع ہونا بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ الرسالۃ القشیریہ ص۱۲۴ اور ص۱۳۷ (اتقوا فراسۃ المومن ..... الخ جو موضوع حدیث ہے) نیز تنقید کے لیے دیکھیے مجموع فتاوی ۱۰ : ۶۷۸ وما بعد اور ۱۱ : ۵۷۷ - ۵۸۰

۴۔ نمونہ کے لیے دیکھیے باب ۱۳ میں علم باطن والی روایت جو موضوع ہے۔ ملاحظہ ہو المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص۱۲۴، الموضوعات الکبیر ص۴۸-۴۹، تنزیہ الشریعۃ ۱ : ۲۸۰

۵۔ دیکھیے عوارف المعارف باب ۶ میں صوف کے متعلق احادیث۔ باب ۱۳ میں حدیث رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر اور باب ۲۶ میں اربعین کے متعلق احادیث جو علمائے فن کے نزدیک موضوع ہیں۔ ملاحظہ ہو تلبیس ابلیس ص۱۹۴ الموضوعات الکبیر ص۴۴ اور مجموع فتاوی ۱۱ : ۱۹۷ - ۱۹۸۔

۶۔ لسان المیزان ۴ : ۲۳۸، الآثار المرفوعہ ص۵۲　۷۔ ایضاً　۸۔ الآثار المرفوعہ ص۵۶

۹۔ ابن رجب حنبلی، طبقات الحنابلہ؛ بیروت ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء ۳ : ۲۹۳

۱۰۔ *J.S. Trimingham, The Sufi orders in Islam, London 1973 PP. 41 (Notes)*

کے بارے میں بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار U.BRAUNE لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالقادر جیلانی پر الشطنوفی کی کتاب 'بہجۃ الاسرار' جسے دوسرے مصنفوں نے اپنا ماخذ بنایا ہے ان کی وفات کے سو سال بعد لکھی گئی۔ اس کا بیان (جسے الذہبی ناقابل اعتماد قرار دے کر رد کر چکا ہے) انھیں افضل واعظم ولی ظاہر کرتا ہے۔ اس کتاب میں جناب شیخ کو ولی کامل کے اس تصور کے مطابق جو خود ان کے ذہن میں تھا پیش نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کتاب کا پیش کردہ بزرگ ایسا نہیں ہے جو کائناتی تسلیم و رضا کی علامت کا کام دے سکے اور اس جہاں اور اگلے جہاں کو ترک کر دینے اور دونوں جہانوں میں اللہ کی تقدیر کو قبول کرنے میں اس کے نمونے کی پیروی کی جاسکے"[۱]

ٹرمنگھام (Trimingham) لکھتے ہیں۔

۵۲۱ھ / ۱۱۲۷ء میں جب ان کی عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی تھی وہ ایک ہر دل عزیز واعظ کی حیثیت سے بغداد میں نمایاں ہوئے۔ اس وقت سے ایک حنبلی واعظ نہ کہ ایک صوفی کی حیثیت سے ان کی شہرت میں اضافہ ہوتا رہا۔ وہ صوفی کا نہیں بلکہ عالم کا لباس زیب تن کرتے تھے[۲]

امام ذہبی نے تصوف کی چند کتابوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

"حافظ سعید بن عمر بروعی کہتے ہیں کہ میں ابوزرعہ (م ۲۶۴ھ) کے پاس تھا۔ ایک سائل نے ان سے حارث محاسبی اور ان کی کتابوں کے متعلق پوچھا انھوں نے جواب میں کہا" ان کتابوں سے بچو یہ بدعتیں اور خرافات ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ اثر کو لازم پکڑو۔ اس میں تم وہ چیز پاؤ گے جو تمہیں بے نیاز کر دے گی ان سے کہا گیا کہ ان کتابوں کے اندر نصیحتیں ہیں انھوں نے جواب دیا "جس کے لیے کتاب اللہ میں کوئی نصیحت نہ ہو اس کے لیے

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پاکستان بذیل عبدالقادر جیلانی

۲۔ The Sufi orders in Islam P.P. 40-41

ان کتابوں میں کوئی نصیحت نہیں۔ کیا تمہیں یہ بات پہنچی ہے کہ سفیانؒ (م ۱۶۱ھ) مالک اور اوزاعی (م ۱۵۷ھ) نے خطرات و وساوس میں اس قسم کی کتابیں تصنیف کی ہیں؟ لوگ بدعت کی طرف کتنی تیزی سے لپکتے ہیں! حارث کا انتقال ۲۴۳ھ میں ہوا اور حارث کی مثال کہاں اگر محدث ابوزرعہ نے متاخرین کی تصانیف مثلاً ابوطالب مکی کی قوت القلوب دیکھی ہوتی اور قوت القلوب کی مثال کہاں اگر ابوزرعہ نے ابن جہضم کی بہجۃ الاسرار اور سلمی کی حقائق التفسیر دیکھی ہوتی تو وہ عقل کھو بیٹھتے۔ کیا ہوتا اگر وہ ابوحامد طوسی کی تصنیفات بالخصوص احیاء العلوم دیکھ لیتے جو موضوعات کا پلندہ ہے کیا ہوتا اگر وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین اور ابن عربی کی فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ دیکھ لیتے۔ ہاں جب حارث اس زمانے میں قوم کے ترجمان تھے تو ان کے معاصرین میں ایک ہزار ائمہ حدیث تھے جن میں احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے حضرات بھی شامل تھے اور جب ابن الاخمیمی اور ابن شحانہ حدیث کے امام بن گئے تو دوسری طرف فصوص الحکم کے مصنف اور ابن سبعین جیسے حضرات بھی قطب العارفین ہو گئے۔"[۱]

فارسی زبان میں تصوف پر لکھی گئی کتابوں مثلاً کشف المحجوب[۲]، فوائد الفواد، سیر الاولیاء اور نفحات الانس میں بہت سی موضوع روایات ہیں[۳]۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) علوم اسلامیہ کے ماہر ہیں۔ مگر ان حضرات کی بعض کتابوں میں احادیث کے سلسلہ میں وہ احتیاط نظر نہیں آتی جس کے لیے یہ حضرات مشہور ہیں[۴]۔

---

[۱] میزان الاعتدال ۱: ۴۳۰ - ۴۳۱

[۲] کشف المحجوب کو فارسی ادبِ تصوف میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور یہ کتاب بلاشبہ اس لائق ہے بھی مگر حدیثوں کے معاملہ میں یہ بھی دوسری کتابوں سے مختلف نہیں ہے۔

[۳] فوائد الفواد میں بکثرت موضوع احادیث ہیں مثلاً حضرت علی کے قول "الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا" کو حدیث کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ دیکھئے فوائد الفواد جلد دوم، مجلس پنجم ص ۷۹ یہی حال سیر الاولیاء اور نفحات الانس کا ہے۔

[۴] مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کا رسالہ 'مبداء و معاد' حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف 'انفاس العارفین' اور 'فیوض الحرمین' وغیرہ۔

حدیث کے معاملہ میں بعض صوفیہ کا یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ کشف و الہام کے ذریعہ حدیث کی صحت کا حال معلوم کر لیتے ہیں اور ان کے اس دعویٰ نے ہمیشہ بحث و مباحثہ کی گرم بازاری کو دعوت دی ہے۔ محدثین میں عجلونی (م ۱۱۶۲ھ) نے محی الدین ابن عربیؒ کی رائے نقل کی ہے کہ بہت سی احادیث طریق روایت کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہیں مگر جب انھیں مکاشف (خود ابن عربی کی ذات) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ صحیح نہیں ہیں، بس ان کا موضوع ہونا معلوم ہوا اور ان پر عمل ترک کیا گیا اگرچہ اہل نقل صحت طرق کی بنا پر انھیں قابل عمل سمجھتے ہیں اور بہت سی حدیثیں جو ضعف طرق کی بنا پر متروک العمل ہیں فی الواقع صحیح ہوتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات (خواب یا کشف میں) کے وقت انھیں پیش کیا گیا تو ان کی صحت ثابت ہوئی۔[1] یہی وجہ ہے کہ ابن عربی نے "کنت کنزا مخفیا..... الخ" والی روایت کو نقل کے لحاظ سے غیر ثابت اور کشف کے لحاظ سے صحیح بتایا ہے[2] اور قلندر کاکوروی نے بھی یحییٰ ابن معاذ رازی (م ۲۵۸ھ) کے قول "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا) کو کشفاً صحیح حدیث مان کر اس پر "الشرف" نامی رسالہ تحریر کیا ہے۔ بات یہیں آکر ختم نہیں ہوتی۔ بعض نامور محدثین بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی بھی اس الہامی اور کشفی معیار کے قایل نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مکاشفات کے ذریعہ انھوں نے چالیس حدیثیں روایت کی ہیں جن میں بیشتر احادیث نہ صرف یہ کہ باتفاق علمائے حدیث موضوع اور من گڑھت ہیں بلکہ چند ایک عقل سلیم سے بھی معارض ہیں[3] اس لحاظ سے خواب اور کشف نے مسلمانوں کی فکر پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ مثلاً محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ اس کتاب کا مواد انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں القا کیا ہے۔[4]

---

[1] عجلونی، کشف الخفا، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۵۲ھ ۱: ۹، ابن عربی، فصوص الحکم دیکھئے فص داؤدیہ قاہرہ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

[2] ابن عربی، فتوحات مکیہ، مطبوعہ مصر ۲: ۳۹۹

[3] المقاصد الحسنہ ص ۴۱۹، الموضوعات الکبیر ص ۷۶

[4] شاہ ولی اللہ دہلوی، الدر الثمین مشمولہ المسلسلات مکتبہ یحیویہ سہارنپور۔ یوپی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

[5] دیکھئے فصوص الحکم کا مقدمہ

علامہ ابن تیمیہ نے قرآن اور حدیث سے اس خیال کی تردید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص اس کا قایل ہے کہ عوام میں کسی شخص کی رسول کے ساتھ وہی حیثیت ہو سکتی ہے جو حضرت خضر کی حضرت موسیٰ کے لیے تھی وہ کافر ہے اللہ کا ارشاد ہے۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته فينسخ الله ما يلقى الشيطان ثم يحكم الله آياته والله عليم حكيم	اے نبی! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے۔ نہ نبی (جس کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا ہو کہ) جب اس نے تمنا کی، شیطان اس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا۔ اس طرح جو کچھ بھی شیطان خلل اندازیاں کرتا ہے، اللہ ان کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔ اللہ علیم ہے اور حکیم۔

یہ ضمانت خدا نے صرف رسول اور نبی کو دی ہے کہ وہ شیطان سے محفوظ رہیں کیوں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے اور اس پیغام کو ٹھیک ٹھیک پہنچانے کے لیے یہ ضمانت ضروری تھی رسول اور نبی کے علاوہ کسی اور انسان کے لیے چاہے وہ اولیائے متقین میں سے کیوں نہ ہو یہ ضمانت لازمی نہ تھی۔ اولیائے متقین کے لیے ضروری نہیں کہ ان سے قابل مغفرت گناہوں کا صدور نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی شرط ہے کہ وہ صغیرہ گناہوں کا بالکل ارتکاب ہی نہیں کر سکتے بلکہ یہ بھی شرط نہیں ہے کہ ان سے کوئی کبیرہ گناہ یا کفر سرزد نہ ہو اگر اس کے بعد وہ توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والذی جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون لهم ما يشاءون عند ربهم ذالك جزاء المحسنين ليكفر الله عنهم اسواء الذى عملوا ويجزيهم اجرهم باحسن الذى كانوا يعملون [1]	جو شخص سچائی لے کر آیا اور جنھوں نے اس کا سچ مانا، وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔ انھیں اپنے رب کے یہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے یہ ہے نیکی کرنے والوں کی جزا۔ تاکہ جو بدترین اعمال انھوں نے کیے تھے انھیں اللہ ان کے حساب سے ساقط کر دے اور جو بہترین عمل وہ کرتے رہے ان کے لحاظ سے ان کو اجر عطا فرمائے۔

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۶۶-۶۷

علامہ ابن تیمیہ کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ حضرت عمر کے متعلق صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم سے پہلی امتوں میں محدَّث ہوا کرتے تھے میری امت میں اگر محدث ہیں تو عمران میں سے ہیں۔ ترمذی کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" اگر میں تم میں نبی بنا کر بھیجا نہ گیا ہوتا تو عمر مبعوث ہوتے" ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں " اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان وقلب پر حق کو جاری کیا ہے میرے بعد اگر کوئی پیغمبر ہوتا تو عمر ہوتے۔ حضرت علی کہا کرتے تھے ہم ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ عمر کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے۔ ابن عمر کا قول ہے کہ حضرت عمر جب بھی کہتے کہ میری اس میں یہ رائے ہے تو واقعۃً ایسی ہی ہوتی جیسی وہ کہتے تھے، قیس بن طارق کا کہنا تھا ہم ہمیشہ ذکر کرتے تھے کہ عمر کی زبان سے فرشتہ بولا کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے :۔

"صالح لوگوں کے قریب رہو اور ان کی باتیں سنو کیوں کہ ان سے سچی باتوں کا صدور ہوتا ہے"[1]

ابن تیمیہ کے بقول یہی وہ امور صادقہ ہیں جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو دی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کو مخاطبات و مشاہدات کا حصول ہوتا ہے۔ بے شک اس امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں اور ان کے بعد عمر۔ صحیحین کی روایت میں حضرت عمر کو تعین کے ساتھ محدث کہا گیا ہے۔ لہٰذا جو بھی اس امت میں محدث و مخاطب ہوگا حضرت عمر ان سے افضل ہوں گے مگر اس کے باوجود وہ اپنی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان کی رائے کبھی قرآن سے میل کھاتی تھی جیسا کہ کئی بار ہوا یہ چیز حضرت عمرؓ کے فضائل میں شمار ہوتی ہے اور کبھی ان کی رائے قرآن کے مخالف ہوتی تھی جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن شرائط پر مشرکین مکہ سے صلح کی تھی وہ حضرت عمرؓ کو پسند نہ تھیں۔ انھوں نے اپنی اس ناپسندیدگی کا اظہار رسول اللہؐ کے سامنے کیا بھی۔ ان سے سوالات کئے اس کے بعد حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور وہی سوالات کیے جو رسول اللہ سے کیے تھے۔ انھوں نے ان سوالات کا جو جواب دیا وہ وہی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو دیا تھا حالانکہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہ

---

[1] مجموع فتاوی ۱۱ : ۲۰۴ ــ ۲۰۵

صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نہیں سنا تھا۔ یہاں پر حضرت ابوبکر کی رائے حضرت عمر کے مقابلہ میں قرآن وسنت کے موافق تھی چنانچہ حضرت عمر نے اپنی رائے سے رجوع کیا[۱]۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا تو حضرت عمر نے پہلے انکار کیا مگر جب حضرت ابوبکر نے کہا کہ ان کا انتقال ہوا ہے تو انھوں نے رجوع کیا۔ منکرین زکوٰۃ سے جنگ کے سلسلہ میں بھی حضرت عمر کی رائے حضرت ابوبکر سے مختلف تھی مگر انھیں اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا کیوں کہ حضرت ابوبکر کی رائے برحق تھی[۲]۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ان نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ پر تفوق حاصل ہے اور بلاشبہ صدیق محدَّث سے بلند مرتبہ رکھتا ہے کیوں کہ صدیق معصوم رسول سے اخذ کرتا ہے اور محدَّث اپنے دل سے۔ اس کا دل چونکہ معصوم نہیں ہوتا لہٰذا وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اپنے دل کا مواد رسول اللہؐ کے لائے ہوئے پیغام سے ملائے (تاکہ اپنے الہام کی صحت اسے معلوم ہو جائے) اس وجہ سے حضرت عمر فاروق صحابہ سے مشورہ لیتے، مناظرہ کرتے اور بعض امور میں ان کی رائے کی طرف رجوع کرتے۔ دونوں طرف سے قرآن وحدیث سے استدلال کیا جاتا اس دوران وہ کبھی ان سے یہ نہیں کہتے تھے "میں محدَّث مُلہَم ہوں تمہیں چاہیے کہ میری بات مانو اور مجھ سے معارضہ نہ کرو[۳]"۔ ابن تیمیہؒ نے اس کے علاوہ اور بھی دلائل دئے ہیں اور متقدمین صوفیہ کے وہ اقوال نقل کیے ہیں جن میں انھوں نے قرآن وسنت کی برتری کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے بعد ان کے شاگرد ابن قیمؒ نے بھی اس ذوقی اور کشفی علم پر بحث کی ہے۔ ان کے بقول جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کے دل میں القاء ہونے والے خواطر و ہواجس اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام سے بے نیاز کر دیتے ہیں وہ سب سے بڑا کافر ہے اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے لیے کبھی یہ خواطر و ہواجس کافی ہیں اور کبھی رسول کا پیغام تو اس کا حال بھی وہی ہے کیوں کہ دل میں القاء ہونے والے مواد میں کوئی نصیحت نہیں ہے اور نہ ہی یہ قابل توجہ ہے الا یہ کہ رسولوں کی لائی ہوئی چیز سے

---

[۱] مجموع فتاوی ۱۱: ۲۰۵ ـ ۲۰۶

[۲] مجموع فتاوی ۱۱: ۲۰۶ ـ ۲۰۷

[۳] مجموع فتاوی ۱۱: ۲۰۶

[۴] مجموع فتاوی ۱۱: ۲۰۷

معارض نہ ہو بصورت دیگر وہ نفس اور شیطان کی طرف سے القا ہے[۱]
علامہ ابن قیم نے دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ انھوں نے اس کا جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اس کا جواب دیتا ہوں اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہے۔ بعض صحابہؓ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسئلے میں یہی فیصلہ سنایا تھا (جو عبداللہ بن مسعود دے چکے تھے) تو اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود بے حد مسرور ہوئے۔

(۲) ایک دفعہ حضرت عمر کے منشی نے لکھا "یہ وہ حکم ہے جس کی طرف اللہ نے عمر کی رہنمائی کی" حضرت عمر نے کہا "نہیں، اسے مٹاؤ اور لکھو" یہ عمر کی رائے ہے" اور حضرت عمرؓ نے کہا" اے لوگو میری رائے کو شریعت کا رنگ نہ دو تم نے ابوجندل کے دن مجھے دیکھا اگر رسول اللہ کے حکم کو رد کرنا میرے بس میں ہوتا تو میں اسے یقیناً رد کرتا۔[۲]

ذوق اور وجد سے بحث کرتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ نے صوفیہ کے "حدثنی قلبی عن ربی" (میرے دل نے میرے رب کی طرف سے یہ بیان کیا ہے) پر تنقید کی ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر عبدالرزاق وغیرہ نہ ہوتے اور اخبرنا وحدثنا کے الفاظ نہ ہوتے تو دین دوسرے لوگوں تک نہ پہنچتا۔ جو اخبرنا کے علاوہ کسی اور چیز کا قایل ہے وہ صوفیانہ خیالات، فلسفیانہ قیاس اور نفسانی رائے کا قایل ہے۔ اخبرنا وحدثنا کے بعد صرف متکلمین کے شبہات، منحرفین کی رائیں صوفیوں کے خیالات اور فلسفیوں کی قیاس آرائیاں رہ جاتی ہیں۔ ہر وہ راستہ جس کی دلیل قرآن وسنت سے نہ ملے جہنم اور شیطان رجیم کا راستہ ہے[۳] ابن قیم نے معتدل صوفیہ کے ان اقوال کو بھی نقل کیا ہے جن میں انھوں نے قرآن وسنت ہی کو حجت تسلیم کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی فن حدیث سے صوفیاء کی بے اعتنائی اور بے احتیاطی کا ذکر کیا ہے۔ حافظ سخاوی (م ۹۰۲ھ) کہتے ہیں کہ تمام واضعین حدیث نقصان کا سبب بنے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ مضرت رساں گروہ وہ ثابت ہوا جو صلاح

---

[۱] ابن قیم الجوزیہ ص ۴۳۹ [۲] ابن قیم الجوزیہ ص ۴۳۹-۴۴۰
[۳] ابن قیم الجوزیہ ص ۴۴۱

وزہد کی طرف منسوب تھا۔[۱] علامہ طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) بھی اس رائے کے قایل ہیں[۲] چنانچہ اسی بات کو پیش نظر رکھ کر ابن جوزی نے کہا تھا کہ اسناد میں جب کہیں صوفی کا نام آئے تو اس حدیث سے ہاتھ دھولو۔[۳] یہاں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا فن تمام علوم اسلامیہ میں مشکل ترین فن ہے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے علاوہ، اس میں محنت اور جانکاہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صوفیہ اس میں معذور بھی ہیں۔ خدا امام شافعی (م ۲۰۴ھ) پر رحم کرے جنھوں نے صوفیہ کی اس معذوری کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا:۔

اسس التصوف علی الکسل — تصوف کی بنیاد کاہلی پر رکھی گئی ہے[۴]

حقیقت یہ ہے کہ صوفیا، کو فن حدیث میں استناد کا مقام کبھی حاصل نہیں ہوسکا جہاں تک خواب اور کشف کا تعلق ہے اسے حدیث کی صحت کو جانچنے کا معیار ہرگز نہیں بنایا جاسکتا۔

۱۔ فتح المغیث ص ۱۰۹ ۲۔ تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء ص ۷

۳۔ العلالۃ الناجعہ ص ۷۷ - اذا وقع فی الاسناد صوفی فاغسل یدیک منہ

۴۔ تلبیس ابلیس ص ۳۲

تصنیفی تربیت کیلئے وظائف

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی طرف سے پانچ سو روپے ماہانہ کے دو وظائف دو سال کی مدت کے لیے دئے جائیں گے۔ منتخب ہونے والے افراد کو ادارہ کی طرف سے قیام کی سہولت حاصل رہے گی۔

درخواست دہندہ کا کسی معروف عربی مدرسہ کے درجہ فضیلت یا اس کے مساوی درجے سے فارغ ہونا ضروری ہے۔ ساتھ ہی ہائی اسکول کے معیار کی انگریزی کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ عربی نہ جاننے کی صورت میں درخواست دہندہ کا ایم اے ہونا ضروری ہے۔ بی اے پاس شدہ افراد بھی درخواست دے سکتے ہیں بشرطیکہ عربی میں اچھی استعداد رکھتے ہوں۔

تحریک اسلامی سے متعلق یا کسی معروف شخصیت کی تصدیق کے ساتھ حسب ذیل معلومات فراہم کی جائیں۔

(۱) نام (۲) عمر (چوبیس سال سے زیادہ نہ ہو) (۳) پورا پتہ۔ (۴) تعلیمی استعداد (اسناد اور مارکس شیٹ کی نقل کے ساتھ۔ (۵) کورس کے علاوہ مطالعہ کی تفصیل۔ (۶) مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مضامین کی نقل، کسی بھی زبان میں۔ (۷) ان موضوعات کی تفصیل جن سے درخواست دہندہ کو خصوصی دلچسپی ہو۔

نوٹ: جو لوگ انگریزی یا ہندی میں لکھنا جانتے ہوں یا جن کی مادری زبان علاقائی زبان ہو، وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔ انتخاب انٹرویو کے بعد ہوگا۔ جن لوگوں کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا انھیں ایک طرف کا کرایہ سکنڈ کلاس مع سلیپر چارجز کے دیا جائے گا۔ جلال الدین عمری۔ سکریٹری ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی - پان والی کوٹھی - دودھپور، علی گڑھ